فکر و نظر۔۔۔اسلام آباد جلد: ۳۸ شمارہ: ۱

جرمانے کی شرعی حیثیت

افتخار الحسن میاں ☆

موجودہ دور میں جرمانے کی شرعی حیثیت کا مسئلہ بڑی اہمیت اختیار کر چکا ہے۔ دنیا کے دیگر ممالک کی طرح وطنِ عزیز پاکستان کے نظامِ عقوبات میں اسے انسداد جرائم کے ایک مؤثر ذریعہ کے طور پر اختیار کیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں یہ حکومتی محاصل میں اضافہ کرنے کا بھی ایک بڑا وسیلہ ہے۔ مجموعہ تعزیرات پاکستان مجریہ ۱۸۶۰ء کی رُو سے جرمانہ کی عدم ادائیگی پر عدالت مُجرم کو سزائے قید دیتی ہے۔ بعض مُجرم تنگ دستی کے باعث جرمانے کی مقررہ رقم ادا کرنے پر قادر نہیں ہوتے۔ اس صورت میں انہیں دی جانے والی سزائے قید بعض اہلِ فکر و دانش کے نزدیک ان کے جرم کے بجائے ان کی تنگ دستی کی سزا ہے۔ اسی سے جرمانے کی شرعی حیثیت کا سوال ابھرتا ہے۔ اسلام کے فقہی ذخیرہ میں جرمانے کے جواز کے حوالے سے پائی جانے والی مباحث کا تعلق اس کی تعریفات اور مالی سزاؤں کی اقسام سے بھی ہے۔ قرآن و سنت اور ائمہ مجتہدین کے اقوال کی روشنی میں جرمانے کے جواز کا جائزہ پیش کرنے سے قبل مناسب معلوم ہوتا ہے کہ قانون و شریعت میں جرمانے کی تعریفات کا جائزہ پیش کیا جائے۔

جرمانے کا لغوی مفہوم

جرم کی وجہ سے جو رقم کسی سے سزا کے طور پر وصول کی جائے، اسے جرمانہ کہتے ہیں۔ جرمانہ میں "انہ" کا لاحقہ نسبتی ہے۔ اردو زبان میں جرمانہ ۔کرنا، بھرنا اور دینا کے ساتھ استعمال ہوتا ہے۔(۱)

☆ ریسرچ ایسوسی ایٹ، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد

جرمانے کو عربی زبان میں غرامۃ کہا جاتا ہے۔ یہ لفظ غَرِمَ یَغرَمُ کا مصدر ہے۔ جس کے معنی قرض کے ہیں۔ اسی سے عرب رَجُلٌ غَارِمٌ اس شخص کو کہتے ہیں جس کے ذمے قرض ہو۔(٢) جرمانے کی رقم چونکہ قرض کی طرح مجرم کے ذمے واجب الادا ہوتی ہے۔ اس لئے اسے غرامۃ کہا جاتا ہے۔ محمد مرتضیٰ زبیدی (١١٤٥۔١٢٠٥ھ) نے بھی اس کے یہی معنی بیان کیے ہیں۔(٣)

انگریزی زبان میں جرمانہ کے لئے Fine کا لفظ استعمال ہوتا ہے جو ١٢٧٥ء میں لاطینی لفظ Finem Facere سے مستعار لیا گیا۔(٤) اس زبان میں اس کی تعریف یہ کی گئی ہے۔ "Sum of money fixed as penalty for offence"(٥) "یعنی کسی جرم کی سزا کے طور پر مقرر کی گئی رقم۔

اردو، عربی اور انگریزی زبانوں میں جرمانے کی، مذکورہ بالا تعریفات میں کافی حد تک مطابقت پائی جاتی ہے۔ تاہم ہماری نظر میں جرمانے کی اردو زبان میں بیان کی گئی تعریف دیگر دو زبانوں میں مذکورہ تعریفات کی نسبت زیادہ جامع ہے۔

جرمانے کا اصطلاحی مفہوم

ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن جرمانے کی قانونی تعریف کرتے ہوئے رقمطراز ہیں: "قانونِ فوجداری میں جرمانہ اس رقم کو کہتے ہیں جو کسی ملزم کو پاداشِ جرم میں کوئی عدالت داخلِ خزانۂ سرکار کرنے کا حکم دے"۔(٦)

ڈاکٹر عبدالعزیز عامر نے اپنی مشہور کتاب "التعزیر فی الشریعة الاسلامیة" میں جرمانے کی اصطلاحی تعریف یہ بیان کی ہے:

الغرامة هى الزام المحكوم عليه بدفع مبلغ من المال لخزانة الدولة(٧)

محکوم علیہ (مجرم) پر ایک خاص رقم ریاست کے خزانے میں جمع کروانے کے لئے عائد کرنا جرمانہ کہلاتا ہے۔

فوجداری قانون کے ممتاز مصری ماہر جندی عبدالمالک نے بھی جرمانے کی یہی تعریف کی ہے۔[۸] امام راغب اصفہانی (م۵۰۲ھ) کی بیان کردہ جرمانے کی اصطلاحی تعریف یہ ہے:

الغرم ما ینوب الإنسان فی مالہ من ضرر لِغیر جنایۃ منہُ أوخیانۃ [۹]

جرمانہ اس رقم کو کہتے ہیں جو کسی انسان کو جرم یا خیانت کی وجہ سے دوسرے شخص کو نقصان پہنچانے کے باعث اپنے مال میں سے ادا کرنی پڑے۔

ہنری بلیک کے الفاظ میں جرمانے کی اصطلاحی تعریف:

" A pecuniary punishment imposed by lawful tribunal upon person convicted of crime or misdemeamour "[۱۰]

جرمانہ اس مالی سزا کو کہتے ہیں جو مجاز عدالت کی طرف سے ایسے مجرم پر عائد کی گئی ہو جو کسی جرم یا خلافِ قانون رویّے کا مرتکب ہوا ہو۔

رچرڈ اے گرین کے مطابق قانون کی نظر میں جرمانے کا مفہوم:

فوجداری قانون میں جرمانہ اس مالی سزا کو کہتے ہیں جس کا مجرم کو ارتکابِ جرم پر ریاست کو ادا کرنے کا حکم دیا جائے۔[۱۱]

ذیل میں جرمانے کی مذکورہ بالا اصطلاحی تعریفات کا ترتیب وار مختصر جائزہ پیش کیا جا رہا ہے۔ ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن کی بیان کردہ جرمانے کی تعریف اگرچہ اس کے موجودہ مفہوم کو بڑی حد تک واضح کرتی ہے۔ تاہم اس میں مجرم کے بجائے ملزم کا لفظ محلِ نظر ہے۔ ملزم اس شخص کو کہا جاتا ہے جس پر کسی جرم کے ارتکاب کا الزام ہو۔ اس میں یہ ضروری نہیں ہوتا کہ اس شخص سے وہ جرم سرزد بھی ہوا ہو۔ البتہ جرم ثابت ہو جانے پر وہ شخص مجرم کہلاتا ہے۔ یہ طے ہے کہ کسی شخص کو محض الزام کی بناء پر کوئی سزا نہیں دی جا سکتی۔ سزا دینے کے لئے جرم کا ثابت ہونا اساسی اہمیت رکھتا ہے۔ ہماری نظر میں اس تعریف میں لفظ 'ملزم' کے بجائے 'مجرم' استعمال ہونا چاہیے تھا۔

مصری سکالر ڈاکٹر عبدالعزیز عامر کی بیان کردہ جرمانے کی اصطلاحی تعریف میں جرمانہ عائد کرنے والے ادارے یعنی عدالت کا ذکر موجود نہیں۔ اگرچہ اس میں محکوم علیہ (جس کے خلاف فیصلہ رحکم دیا گیا ہو) کے کلمہ سے اس کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے۔ لیکن تعریفات کا غیر مبہم اور دوٹوک ہونا ضروری ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے یہ تعریف بھی نامکمل ہے۔ امام راغب اصفہانی کی بیان کردہ تعریف، مذکورہ صدر تعریفات میں سے قدیم تر ہے۔ یہ تعریف جرمانہ کے موجودہ مفہوم کی نسبت عصرِ حاضر میں ہرجانہ کی تعریف سے زیادہ مشابہت رکھتی ہے۔ نیز اس میں جرمانہ عائد کرنے کے لئے عدالت کی تخصیص نہیں کی گئی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے دور میں جرمانے کا حکم قاضی کے علاوہ حکمران بھی دیا کرتے تھے۔ شاید ایک قبیلہ دوسرے قبیلہ کے فرد پر بھی جرمانہ عائد کرتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس تعریف میں جرمانے کی رقم سرکاری خزانے میں جمع کروانے کی پابندی نظر نہیں آتی۔ اس تعریف میں پائی جانے والی عمومیت سے اندازہ ہوتا ہے کہ امام راغب کے عہد میں جرمانے کی تعریف ابھی اپنے تشکیلی دور میں تھی۔ چنانچہ یہ تعریف عصرِ حاضر میں جرمانے کے قانونی مفہوم کا پورے طور سے احاطہ نہیں کرتی۔ ہنری بلیک کی بیان کردہ تعریف میں جرمانہ سرکاری خزانے میں جمع کروانے کا ذکر نہیں کیا گیا۔ جبکہ رچرڈ اے گرین کی تعریف میں جرمانہ عائد کرنے والی عدالت کا واضح طور پر ذکر موجود نہیں ہے۔ اس لحاظ سے یہ تعریفات نامکمل ہیں۔ جرمانہ کی تعریفات کے اس مختصر تجزیہ سے واضح ہو جاتا ہے کہ اس کے موجودہ قانونی مفہوم کے لحاظ سے ان میں سے کوئی تعریف بھی جامع نہیں ہے۔ اس لئے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہم اپنی طرف سے جرمانے کی ایک جامع تعریف پیش کریں جو اس کے موجودہ قانونی مفہوم کی حامل ہو۔ یہ تعریف حسب ذیل ہے :

> جرمانہ --- اس مقررہ رقم کو کہتے ہیں جو مجاز عدالت کسی مجرم کو پاداشِ جرم میں سرکاری خزانے میں جمع کروانے کا حکم دے۔

جرمانہ --- قرآن و سنت کی روشنی میں

شریعت اسلامیہ میں صدرِ اسلام سے تین طرح کی مالی سزائیں رائج ہیں---

اِتلاف، تغییر اور حرمانِ ملکیت۔(۱۲)

۱۔ **اتلاف** : ایسی اشیاء جو لذاتہٖ اسلام میں حرام ہیں اور وہ اشیاء جو برائی کا باعث بننے کی وجہ سے ممنوع ہیں، قرآن و سنت اور تعامل صحابہؓ کی رو سے ان کا اِتلاف (تلف کرنا) جائز ہے، مثلاً : حضور نبی مکرم ﷺ کے عہد مسعود میں مشہور عیسائی راہب کے کہنے پر منافقین نے مدینہ منورہ کی مضافاتی بستی قبا میں ایک مسجد تعمیر کی تھی۔ اس کا مقصد رضائے الٰہی کے حصول کے بجائے مسلمانوں خصوصاً نبی رحمت فداہٗ ابی و امیؐ کو نقصان پہنچانا تھا تاکہ اسلام کی نشرواشاعت کی راہیں مسدود کی جا سکیں۔ اس مسجد کی تعمیر کی تہ میں پوشیدہ ان تخریبی مقاصد کی وجہ سے قرآن حکیم نے اسے مسجد ضرار کہا ہے۔ منافقین جب یہ مسجد تعمیر کر چکے تو انہوں نے حضور سرکار دو عالم ﷺ کے سامنے اصل حقیقت کو چھپاتے ہوئے آپؐ سے اس مسجد میں برکت کے لئے نماز ادا کرنے کی درخواست کی۔ اس موقع پر آپؐ غزوہ تبوک کی تیاریوں میں مصروف تھے۔ اس وجہ سے آپؐ نے تبوک سے واپسی پر ان کی درخواست پر غور فرمانے کا وعدہ کر لیا۔ چنانچہ غزوہ سے واپسی پر منافقین نے دوبارہ حاضر خدمت ہوکر دعوت دی تو اسی وقت اللہ تعالیٰ نے سورۂ توبہ کی یہ آیات نازل فرما کر منافقین کی مذموم سازش کا پردہ چاک فرما دیا(۱۳) :

> وَالَّذِینَ اتَّخذوا مَسجِداً ضِرَاراً وَّ کُفراً وَّتَفرِیقاً بَینَ المُؤمِنِینَ وَاِرصَاداً لِمَن حَارَبَ اللّٰہَ وَرَسُولَہُ مِن قَبلُ --- الخ (۱۴)
>
> اور وہ لوگ جنہوں نے بنائی ہے مسجد نقصان پہنچانے، کفر کرنے اور اہل ایمان کے درمیان پھوٹ ڈالنے کے لئے اور (اسے) کمین گاہ بنایا ہے اس (ابوعامر) کے لئے جو اب تک اللہ اور اس کے رسول سے لڑتا رہا ہے۔(۱۵)

ان آیاتِ مبارکہ کے نزول پر حضور ختمی مرتبت ﷺ نے چند صحابہؓ کو حکم دیا کہ وہ جا کر اس مسجد کو پیوندِ خاک کر دیں اور اسے آگ لگا دیں۔(۱۶) چنانچہ فرمانِ نبویؐ کی تعمیل کی گئی۔

تخریبی مقاصد کے لئے تعمیر ہونے والی مسجد تک کو تلف کرنا قرآن و سنت کی ان تعلیمات کی روشنی میں جائز ہے۔ ایسی عمارت جس میں مسلمانوں کے عقائد، قومی سلامتی اور داخلی امن و استحکام کے خلاف سازشیں تیار کی جاتی ہوں، اسے منہدم کرنے کی اسلام میں اجازت ہے۔ اس کے علاوہ شراب کے برتن، آلاتِ لہو اور مضرِ صحت اشیائے خورد و نوش اور غیر معیاری ادویہ کا تلف کرنا بھی جائز ہے۔ یہ رہنمائی خود قرآن کریم کی درج بالا آیت سے میسر آ رہی ہے۔

تعاملِ صحابہؓ سے اتلاف کی مثال

شراب فروشی کے لئے استعمال ہونے والے مکانوں کو حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ نے جلا دینے کا حکم دیا۔[17]

ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے جب ایک دودھ بیچنے والے کو دودھ میں پانی ملاتے ہوئے دیکھا تو آپؓ نے وہ سارا دودھ تعزیراً زمین پر گرا کر تلف کر دیا۔[18]

۲۔ **تغییر** : ایسی اشیاء کو جو شریعت میں کسی درجہ منکرات شمار ہوتی ہیں، بعض اوقات تلف کرنے کے بجائے ان میں اس طرح تبدیلی عمل میں لائی جاتی ہے جس سے ان کی ہیئت بدل جاتی ہے اور ہیئت تبدیل ہونے سے ان کی مالیت میں کمی آجاتی ہے۔ ایسی اشیاء کی مالیت میں کمی کرنے کی یہ صورت اسلام میں مالی سزا کا درجہ رکھتی ہے۔

سنتِ نبویؐ سے تغییر کی مثال:

نبی اکرم ﷺ نے اپنے وقت میں رائج سکوں مثلاً دراہم و دنانیر کو توڑنے سے منع فرمایا تھا مگر جو سکے کھوٹے ہو جاتے انہیں زیورات بنوانے کے لئے توڑنے اور ان کے دیگر استعمال کے لئے ان کی ہیئت بدلنے کی اجازت مرحمت فرما دی۔[19] اسی طرح خانۂ نبوت میں ایک پردے پر جانوروں کی تصاویر بنی ہوئی تھیں۔ آپ نے ان جانوروں کے سروں کو مٹا دیا، اس سے وہ درختوں کے مانند ہوگئے۔ پھر پردے کو کاٹ کر بچھونے بنوا لئے۔[20]

تمام فقہائے اسلام کی متفقہ رائے ہے کہ تصویروں کی ہیئت تبدیل کر کے انہیں استعمال میں لایا جا سکتا ہے۔ ان مثالوں میں اگرچہ مالی سزا کے معنی نہیں پائے جاتے، تاہم یہ تغییر یعنی کسی منکر اور بری شئے کی ہیئت تبدیل کر کے اس کی مالیت میں کمی کرنے اور اسے استعمال میں لانے کا جواز ضرور فراہم کرتی ہیں۔

۳۔ **حرمانِ ملکیت :** شریعت میں مالی سزاؤں کی تیسری اہم اور عام قسم حرمانِ ملکیت ہے۔ مجرم کو اس کے ناجائز طور پر حاصل کیے ہوئے مال کی (ناجائز) ملکیت سے محروم کرنے کو حرمانِ ملکیت کہا جاتا ہے۔ ضمان/تاوان اور مجرمانہ اسی قسم کے تحت آتے ہیں۔ مثلاً اگر کسی کے مجرمانہ فعل سے کسی فرد کے حقوق متاثر ہوں تو اسے پہنچنے والے نقصان کی تلافی مجرم کے مال سے کی جاتی ہے۔ گویا اسے متاثرہ شخص کو پہنچنے والے نقصان کے برابر مال سے محروم کر دیا جاتا ہے۔ اس سلسلے میں مُجرم پر عائد کردہ مالی سزا --- ضمان، معاوضہ یا تاوان کہلاتی ہے۔[۲۱]

سنّتِ نبوی سے حرمانِ ملکیت کی مثال :

سیّدنا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ جو شخص باغ سے چوری پھل توڑلے، اس کی کیا سزا ہے؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا:

> مَن أخذ بفمهٖ، ولم يتّخذ خُبنةً، فليس عليه شيئ، ومن احتمل فعليه ثمنُهُ مرّتين و ضرباً و نكالاً، وما أخذ مِن أجرانهٖ، ففيهِ القطعُ إذا بلغ ما يؤخذ من ذلك ثمنَ المجن.[۲۲]

> جس نے باغ میں (پھل) کھا لیا اور اسے جھولی میں ڈال کر نہ لے گیا تو اس پر کچھ (تاوان) نہیں۔ اور جو اٹھا کر ساتھ لے گیا تو اس پر اس (پھل) کی دوگنا قیمت لازم ہوگی، اسے پیٹا جائے گا اور اسے دوسروں کے لئے باعثِ عبرت بنایا جائے گا۔ اور جس (پھل) سے اس نے ٹوکرے (یا تھیلے) بھر لئے، اگر وہ ڈھال کی قیمت کو پہنچ جائے تو (حدِ سرقہ لاگو کرتے ہوئے) اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔

اس حدیثِ مبارک کے مطابق ڈھال سے کم قیمت کے پھل چرا کر لے جانے پر مسروقہ پھل کی دوگنا قیمت سزا کے طور پر مجرم سے لی جائے گی، یہ حرمانِ ملکیت ہے۔ یہ رقم چور کے مجرمانہ فعل سے متاثر ہونے والے شخص کو پہنچنے والے نقصان کا معاوضہ ہوگی۔ مُجرم کے حوالے سے یہ رقم حرمانِ ملکیت کے زمرے میں آتی ہے جبکہ متاثرہ شخص کی نسبت سے یہ نقصان کا معاوضہ ہے۔ سنّت سے مأخوذ اس مثال سے ہمیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مالی سزا سنگین جرائم کے انسداد میں مؤثر تسلیم نہیں کی گئی۔ جرائم کی نوعیت خواہ ایک ہو، اگر ان کی سنگینی کی سطح مختلف ہو جائے تو سزا کی نوعیت بدل جاتی ہے۔ جیسے رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں واضح فرمایا کہ اگر مسروقہ پھل کی قیمت ڈھال کی قیمت کو پہنچ جائے تو مجرم پر مالی سزا عائد نہیں کی جائے گی بلکہ اس جرم کی سنگینی میں اضافہ ہو جانے کی بناء پر حد سرقہ یعنی چور کا ہاتھ کاٹنے کی سزا دی جائے گی۔

Anglo Saxon Law کی طرح شریعتِ اسلامیہ میں بھی چوری کو بیک وقت فرد اور ریاست کے خلاف جرم قرار دیا گیا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اس حدیث مبارک میں جہاں متاثرہ شخص کے حقوق کا تحفظ کرتے ہوئے اس کو پہنچنے والے نقصان سے دوگنا معاوضہ ادا کرنے کی ہدایت فرمائی گئی ہے، وہاں ریاست کے حقوق اور داخلی امن و سلامتی کی خاطر مجرم کو جسمانی سزا دے کر دوسرے شہریوں کے لئے باعثِ عبرت بنانے کا حکم بھی فرمایا گیا ہے۔ اگر کسی شخص کے مجرمانہ فعل سے ریاست کے حقوق متاثر ہوں یا اسے مالی نقصان پہنچے، تو اس صورت میں عدالت کی طرف سے مُجرم پر عائد کی جانے والی مالی سزا کی رقم اسے سرکاری خزانے میں جمع کروانے کا حکم دیا جاتا ہے۔ نقصان کے بدلے میں دی جانے والی مالی سزا معاوضہ اور قانونِ شکنی کے جرم میں دی جانے والی مالی سزا جرمانہ کہلاتی ہے۔ مالی سزاؤں کی یہ درجہ بندی اگرچہ عصر حاضر میں ہونے والی قانونی ترقی کی رہینِ منّت ہے۔ تاہم اس کے واضح نظائر ہمیں عہدِ رسالت مآب ﷺ میں بھی نظر آتے ہیں۔

سنّتِ نبویؐ سے جرمانے کی مثالیں

۱۔ عبدالرزاق عن معمر عن بهز بن حكيم عن أبيه عن جدّه قال: سمعتُ

رسول الله ﷺ يقول: في كل أربعين من الإبل ابنة لبون، فمن أعطاها مؤتجراً فَلَهُ أجرُها، ومن كتمها فإنّا لآخذوها و شطر إبله عزيمة من عزائم ربّك، لاتحلّ لمحمد ولا لآل محمد ﷺ (۲۳)

عبدالرزاق، معمر سے اور وہ بھز بن حکیم سے اور وہ اپنے باپ کے واسطہ سے اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ہر چالیس اونٹوں پر دو سال کا ایک اونٹ بطور زکوٰۃ لیا جائے گا۔ جو شخص اجر و ثواب کی نیت سے یہ زکوٰۃ ادا کرے گا، اسے اس کا اجر ملے گا۔ اور جس نے قابلِ زکوٰۃ مال چھپایا، تو اس سے ہم زکوٰۃ بھی وصول کریں گے اور اس کے آدھے اونٹ بھی، یہ تیرے رب کے قطعی فیصلوں میں سے ایک قطعی فیصلہ ہے۔ یہ مال نہ محمد ﷺ کے لئے حلال ہے اور نہ آلِ محمد ﷺ کے لئے۔

اس حدیث مبارک سے واضح ہوتا ہے کہ زکوٰۃ کی وصولی اسلامی ریاست کی اہم ذمہ داری ہے۔ اگر کوئی صاحبِ نصاب مسلمان شہری اموال ظاہرہ میں ریاست کو زکوٰۃ ادا کرنے سے انکار کر دے یا قابلِ زکوٰۃ اموال چھپا لے تو ریاست اس سے نہ صرف جبراً زکوٰۃ وصول کرنے کی مجاز ہے بلکہ زکوٰۃ کی ادائیگی سے قولی یا فعلی انکار کو ریاست کے مالی استحکام کے خلاف سنگین جرم شمار کرتے ہوئے وہ اس کے نصف اموال بطور جرمانہ ضبط کرنے کی بھی مجاز ہے۔

اس حدیث سے ہمیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی ریاست قومی محاصل کی ادائیگی سے انکار کرنے یا ان کی بروقت ادائیگی میں ناکامی کی صورت میں نادہندہ سے واجب الاداء رقم کے علاوہ جرمانہ یا سرچارج وصول کرنے کی بھی مجاز ہے۔

۲۔ حضور سرکار دوعالم ﷺ نے ایک موقع پر ابن اللتبیۃ کو زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے روانہ فرمایا۔ واپس آکر انہوں نے دربارِ رسالت میں عرض کیا، یہ زکوٰۃ کا مال ہے اور یہ مال مجھے لوگوں نے اس موقع پر بطور تحفہ دیا ہے۔ یہ بات سنتے ہی حضورؐ منبر پر تشریف فرما

ہوئے اور لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

مَابالُ العاملِ نبعثهُ فيجئى فيقول: هذالكم وهذا أُهدِيَ لِی، ألاجلس فی بیت أمهِ أو أبيهِ، فينظرَ أيُهدی لهُ أم لا ---الخ۔(۲۴)

اس عامل کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے جسے ہم (زکوٰۃ کی وصولی کے لئے) بھیجتے ہیں تو وہ آکر کہتا ہے کہ یہ مال آپ کے لئے ہے اور یہ مجھے بطور تحفہ ملا ہے۔ وہ اپنی ماں یا باپ کے گھر میں کیوں نہ بیٹھا رہا، پھر دیکھتا کہ اسے تحفہ ملتا ہے کہ نہیں۔

چنانچہ حضورﷺ نے ابن اتبیہ کی ناجائز ملکیت میں آنے والے ان تحائف کو رشوت (خلافِ قانون فعل) شمار کرتے ہوئے بطور جرمانہ حقِ سرکار ضبط فرما لیا۔ عہدِ نبوی کی اس نظیر سے یہ قاعدہ جا طور پر اخذ کیا جا سکتا ہے کہ ریاست کے نمائندہ افراد کا اپنی سرکاری حیثیت سے غلط فائدہ اٹھاتے ہوئے تحائف وصول کرنا رشوت شمار کیا جائے گا۔ ایسے ناجائز ذرائع سے، سرکاری ملازمین کی حاصل کردہ رقوم اور اثاثوں کو ریاست بطور جرمانہ ضبط کرنے کی شرعاً مجاز ہے۔

۳۔ رسول اللہﷺ نے ایک اور موقع پر ڈھال کی قیمت (نصابِ سرقہ) سے کم مالیت کی شئے چرانے والے پر دوگنا مالیت کا جرمانہ (جو اصلاً ضمان/ تاوان ہے) عائد فرمایا۔ ارشاد نبویؐ ہے:

ومن سرق دون ذلك فعليه غرامة مثلَيه والعقوبة(۲۵)

جس نے ڈھال کی قیمت سے کم مالیت کی شئے چرائی، اس پر مسروقہ شئے کی مالیت سے دوگنا جرمانہ عائد کیا جائے گا اور اسے کوڑے مارے جائیں گے۔

اس حدیثِ پاک میں غرامة (جرمانہ) کا لفظ واضح طور پر استعمال ہوا ہے، جس سے جرمانے کا شرعی جواز الم نشرح ہو جاتا ہے۔ تاہم صدرِ اسلام میں آج کے قانونی ارتقاء کے نتیجے میں ہونے والی مالی سزاؤں کی درجہ بندی نہ تھی۔ اس لئے اس دور کے نظائر میں مالی سزاؤں کے اختلاط کی جھلک نظر آتی ہے لیکن ان کی درجہ بندی کی عدم موجودگی کا ان کے

شرعی جواز پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

۴۔ سن ۲ ہجری میں کفارِ مکہ نے مدینہ منورہ کی نوزائیدہ اسلامی مملکت کی سالمیت کو پارہ پارہ کرنے کے لئے اس کے خلاف باقاعدہ ننگی جارحیت کا ارتکاب کیا۔ اس موقع پر میدانِ بدر میں رزمِ حق و باطل کا نتیجہ اللہ تعالیٰ کی خاص تائید و نصرت سے فتح کی صورت میں اہل اسلام کے حق میں نکلا۔ اس جنگ میں ستّر کفار واصلِ جہنم کیے گئے جبکہ ستّر کو قیدی بنا لیا گیا۔

صدر اسلام میں نوزائیدہ اسلامی ریاست کے خلاف جارحیت کا ارتکاب کرنے والے ان جنگی قیدیوں (اسیرانِ بدر) کے لئے باقاعدہ جیلیں نہ تھیں۔ اس لئے حضور ختمی مرتبت ﷺ نے ان قیدیوں کو نگرانی کے لئے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں تقسیم کر دیا اور انہیں ان کے ساتھ حسنِ سلوک کا حکم دیا۔ ارشاد نبوی کی تعمیل میں قیدیوں کے ساتھ ان کے حسنِ سلوک کا یہ عالم تھا کہ ان کے گھروں میں کھانے کے لئے جو کچھ ہوتا، وہ ان قیدیوں کو کھلا دیتے اور خود کھجوریں کھا کر گزر بسر کر لیتے۔ اس حسن سلوک کے باعث جارحیت کے مرتکب ان کفار کی سزا (قید) پر انعام (مہمان نوازی) کا پہلو غالب آگیا اور وہ پہلے سے زیادہ باسہولت زندگی گزارنے لگے۔ حضور ﷺ نے ان کے معاملہ میں اپنے صحابہ کرامؓ سے مشورہ طلب فرمایا۔ صحابہ کرامؓ نے تین مختلف آراء کا اظہار کیا۔ فیصلہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے مشورہ کے مطابق ہوا جسے خود نبی رحمت فداہ ابی و امّی کی تائید حاصل ہوئی۔ اس فیصلہ کے مطابق مدینہ منورہ کی پر امن ریاست کے خلاف جنگ کرنے کے مرتکب ان قیدیوں سے تاوان جنگ / جنگی جرمانہ کے طور پر فدیہ لے کر انہیں آزاد کر دیا گیا۔ فدیہ کی رقم کے تعیّن میں مجرموں کی مالی حالت کا بطور خاص خیال رکھا گیا۔ فدیہ کی یہ رقم ایک ہزار درہم سے چار ہزار درہم تک تھی۔ فدیہ کی سب سے بڑی رقم چار ہزار درہم مکہ کے متمول کافر ابو عامر کی رہائی کے لئے وصول کی گئی۔ جو لوگ صاحبِ حیثیت تھے وہ فدیہ ادا کر کے رہا ہو گئے، جو قیدی نادار مگر پڑھے لکھے تھے، انہیں حکم دیا گیا کہ وہ دس دس بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دیں اور آزاد ہو جائیں، یہی ان کا فدیہ (جنگی جرمانہ) متصور ہوگا۔

ان پڑھ نادار قیدیوں کو نبی رحمت، رأفتِ مجسم ﷺ نے بلا فدیہ رہا فرما دیا۔(۲۶)

آج کے ترقی یافتہ دور میں بھی اگر کسی خود مختار، آزاد ریاست کی سالمیت و بقاء کو ختم کرنے کی غرض سے اس کے خلاف کوئی ملک جارحیت کا مرتکب ہو تو اس کی ناکامی و نامرادی کی صورت میں وہ مسلّمہ بین الاقوامی اصولوں کی رو سے متاثرہ ملک کو تاوانِ جنگ ادا کرنے کا پابند ہوتا ہے۔ یہ تاوانِ جنگ یا فدیہ ایک ملک کی طرف سے دوسرے ملک کے خلاف عائدہ کردہ جرمانہ ہے۔

اسلام سے مماثل انگریزی قانون میں جرمانے کا آغاز

یہاں پر تاریخِ قانون کی اس دلچسپ حقیقت کا ذکر کرنا بے محل نہ ہوگا کہ جس طرح صدر اسلام میں جیلوں کا باقاعدہ انتظام نہ ہونے کے باعث اسیرانِ بدر کو یہ سہولت مہیا کی گئی تھی کہ وہ فدیہ ادا کر کے رہا ہو سکتے ہیں، بالکل اسی طرح جب ۱۲۷۵ء میں مختلف جرائم کی پاداش میں سزائے قید پانے والے مجرموں کی تعداد انگلینڈ کی جیلوں کی گنجائش سے بہت بڑھ گئی تو وہاں کی عدالتوں نے قیدی مجرموں کو یہ سہولت دی کہ اگر وہ عدالت کی مقرر کردہ رقم سرکاری خزانے میں جمع کرّوا دیں تو انہیں جیلوں سے رہا کر دیا جائے گا۔ یوں پہلی بار ۱۲۷۵ء میں انگریزی قانون میں Fine کی اصطلاح جس انداز میں متعارف ہوئی، وہ صدرِ اسلام میں فدیہ کی ادائیگی کی صورت میں اسیرانِ بدر کی رہائی سے گہری مماثلت رکھتا ہے۔ ملاحظہ فرمایئے ورلڈ بک انسائیکلو پیڈیا کے مقالہ نگار فریڈ ای انباؤ کے یہ الفاظ:

> The term (Fine) originated in England in 1275, when the courts began to permit convicts to be released from prison when they paid a required amount of money.(۲۷)

تعاملِ صحابہؓ سے جرمانے کی مثالیں

۱۔ سیّدنا حضرت عمرؓ کو اپنے دورِ خلافت میں سواد (عراق) کے علاقے میں ایک شخص کے بارے میں اطلاع ملی کہ وہ شراب کی تجارت کرتا ہے تو آپؓ نے وہاں کے حاکم کے نام

اپنے خط میں حکم دیا کہ اس کی دکان کی ہر چیز توڑ دو، اس کے جانور ہانک لو اور اس کو کوئی پناہ نہ دے۔(۲۸)

عہدِ فاروقی کی اس نظیر میں شراب کی دکان کی چیزیں توڑنے کا عمل اسلام کی مالی سزاؤں کی قسم "اِتلاف" کے زمرے میں آتا ہے۔ جبکہ "اس کے جانور ہانک لو" یعنی انہیں بحق سرکار ضبط کر لو" سے مراد جرمانہ ہے۔

۲۔ زکوٰۃ کی ادائیگی سے بچنے کے لئے جو شخص اپنا مال غائب کر لیتا، حضرت عمرؓ (بطور جرمانہ) اس پر پانچ گنا زکوٰۃ عائد کیا کرتے تھے۔

عن عبدالرزاق بن همام الصنعانی عن معمر عن الزهری أنّ عمر بن الخطاب کان یخمّس مالَ مَن غیّب مالهٗ من الصدقة (۲۹)

۳۔ حضرت فاروق اعظمؓ کے عہدِ خلافت میں حاطب بن ابی بلتعہ کے غلاموں نے بھوک سے تنگ آکر مزنیہ کے ایک شخص کی اونٹنی چرا کھائی تو وہ انہیں پکڑ کر دربارِ فاروقی میں لے آیا۔ مجرموں نے اپنے جرم کا اعتراف کر لیا۔ اس پر حضرت عمرؓ نے عبدالرحمٰن بن حاطب کو طلب فرمایا۔ وہ حاضر ہوا تو آپؓ نے اس سے فرمایا کہ تمہارے غلاموں نے مزنیہ کے اس شخص کی اونٹنی چرا کر کھالی ہے اور یہ اپنے جرم کا اقرار بھی کر چکے ہیں۔ پھر آپؓ نے اس کے سامنے کثیر بن صلت کو حکم دیا کہ انہیں لے جاؤ اور ان سب کے ہاتھ کاٹ دو۔ ابھی وہ غلاموں کو لے کر روانہ ہوئے ہی تھے کہ آپؓ نے انہیں واپس بلا لیا اور عبدالرحمٰن بن حاطب کو ڈانٹتے ہوئے فرمایا:

واللّٰهِ لولا انّی اظنّ أنّکم تستعملونهم و تجیعونهم حتی لو أنّ أحدهم یجد ماحرّم اللهُ علیه لأکلهٗ، لقطعت أیدیهم ولکنّ واللّٰهِ إذترکتُهم لأغرمنّك غرامةً توجعك، ثم قال للمُزَنی کَم ثمنها؟ قال: کنتُ أمنعها من أربع مئة، قال: اعطهٗ ثمان مئة.(۳۰)

بخدا اگر مجھے یہ معلوم نہ ہوتا کہ تم ان غلاموں سے کام لیتے ہو اور انہیں بھوکا رکھتے ہو، جس کی وجہ سے یہ اللہ کی حرام کی ہوئی (مسروقہ)

شئے کھانے پر مجبور ہوئے تو میں لازماً ان کے ہاتھ کاٹ دیتا۔ لیکن خدا میں انہیں تو چھوڑ رہا ہوں مگر تمہیں میں ایسا جرمانہ کروں گا جو تمہارے لئے تکلیف دہ ہو۔ پھر آپؓ نے اس مزنی سے پوچھا کہ تمہاری اونٹنی کتنے کی ہوگی؟ اس نے عرض کیا کہ وہ تو میں کسی کو چار سو میں بھی نہ دیتا۔ چنانچہ آپؓ نے عبدالرحمٰن بن حاطب کو حکم دیا کہ اس مزنی کو آٹھ سو ادا کرو۔

اس مثال سے واضح ہوتا ہے کہ آپؓ نے فیصلہ کرتے وقت جرم کے اسباب اور مجرموں کے حالات کو خاص اہمیت دی اور ان غلاموں کے مالک پر مسروقہ اونٹنی کی دوگنا قیمت کا جرمانہ عائد فرمایا۔ یہاں اگرچہ حضرت عمرؓ نے غرامۃ (جرمانہ) کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔ تاہم یہ مالی سزا موجودہ تبدیل شدہ مفہوم کے مطابق جرمانہ نہیں بلکہ ضمان (اتلاف کا معاوضہ) ہے۔ اس قانونی درجہ بندی کے باوصف اس سے جرمانہ کی مشروعیت بھی واضح ہوتی ہے۔

اسلام کے فقہی ذخیرہ سے جرمانے کی چند مثالیں

۱۔ امام ابو اسحاق الشاطبی (م ۷۹۰ھ) اپنی کتاب "الاعتصام" میں رقمطراز ہیں:

من قطع ذنب بغلة القاضي،عليه قيمة الدابة غرامةً، لا قيمةَ النقص الحاصل فيه۔[۳۱]

یعنی جس نے قاضی کے خچر کی دم کاٹی، اس پر سواری کی قیمت بطور جرمانہ لازم ہوگی، نہ کہ اس نقص کی قیمت (ضمان / تاوان) کے طور پر جو (دم کٹنے سے) سواری میں پیدا ہو گیا ہے۔

مجرم کے اس فعل سے نہ صرف قاضی کے فرائض میں رکاوٹ پیدا ہوتی ہے بلکہ اس کے منصب اور ریاست کا نمائندہ ہونے کی حیثیت سے توہین بھی ہوتی ہے۔ لہٰذا اسے ریاست کے خلاف جرم تصور کرتے ہوئے مجرم پر سواری کی قیمت کے برابر جرمانہ عائد کیا جائے گا جو مجرم کو سرکاری خزانے میں جمع کروانا ہوگا۔

۲۔ اگر کوئی مجاہد مالِ غنیمت کی تقسیم سے قبل نصابِ سرقہ (ڈھال کی قیمت) کے برابر مال چرا لے تو مالِ غنیمت میں اس کا حصہ ہونے کے شبہ کی بناء پر اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا، البتہ اس سے وہ مال واپس لینے کے علاوہ اسے اس کے حصہ کے مالِ غنیمت سے محروم کر کے وہ مال بطور جرمانہ سرکاری خزانے (بیت المال) میں جمع کر لیا جائے گا۔(۳۲)

۳۔ اسی طرح بیت المال سے چوری کرنے والے کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا کیونکہ وہ عام لوگوں کا مال ہوتا ہے جن میں وہ بھی شامل ہے۔ چنانچہ اس مال میں چور کا بھی حق ہونے کے شبہ کی بناء پر اس سے حدِ سرقہ ساقط ہو جائے گی۔(۳۳) البتہ اس پر مسروقہ مال کی دوگنا قیمت (مالیت) کا جرمانہ عائد کیا جائے گا۔ اس پر فقہاء میں اتفاق پایا جاتا ہے۔ امام احمد بن حنبلؒ کا یہ قول اصول کا درجہ رکھتا ہے کہ ”کل من درأنا عنهُ الحدَ أو القود أضعفنا عليه الغرم“(۳۴) یعنی جس شخص سے ہم (شبہ کی بنیاد پر) حد یا قصاص ساقط کریں گے، اس پر ہم دوگنا جرمانہ عائد کریں گے۔

احادیث اور کتبِ فقہ سے بیان کردہ ان نظائر کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ انسانی معاشرہ کو جرائم سے پاک کرنے، شہریوں اور ریاست کے حقوق کے تحفظ، جرائم پیشہ افراد کی حوصلہ شکنی اور ان کو باقی افرادِ معاشرہ کے لئے نشانِ عبرت بنانے کی غرض سے شریعت اسلامیہ نے دیگر مالی سزاؤں کے پہلو بہ پہلو جرمانہ کو بھی جائز قرار دیا ہے۔ خصوصاً مالیاتی جرائم کے انسداد کے لئے جرمانہ کے اطلاقات کی مثالیں ہمیں کتبِ فقہ میں بکثرت نظر آتی ہیں۔

جرمانے کے شرعی جواز کے بارے میں ائمہ مجتہدین کی اختلافی آراء کا جائزہ

گذشتہ صفحات کے مطالعہ سے احادیث اور اسلام کے فقہی ذخیرہ کی رو سے جرمانہ کا شرعی جواز بہت حد تک واضح ہو چکا ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ اسلام میں تمام اقسام کی مالی سزائیں بشمول جرمانہ جائز ہیں۔ کتب تاریخ کے اوراق پلٹنے سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ فقہاء اور قضاۃ جرائم کے انسداد اور معاشرتی و مالیاتی تحفظ کے لئے ان سزاؤں کا

اطلاق کرتے رہے ہیں۔ موجودہ مفہوم کے مطابق جرمانے کے سوا دیگر تمام مالی سزاؤں کے جواز پر فقہاء متفق نظر آتے ہیں، البتہ بعض حنفی فقہاء کے جرمانے کے جواز کے بارے میں کچھ تحفظات ہیں۔ ان کے مطابق اگرچہ جرمانہ صدرِ اسلام میں جائز تھا لیکن بعد میں منسوخ ہو گیا تھا۔ مشہور حنفی فقیہ ابن نجیمؒ (م۹۷۰ھ) اپنی کتاب "البحر الرائق" میں جرمانے کے جواز و عدم جواز پر بحث کرتے ہوئے آخر میں لکھتے ہیں: " والحاصل أن المذهب عدم التعزير بأخذ المال"۔(۳۵) کہ اس بحث کا حاصل یہ ہے کہ حنفی مذہب میں مال لے کر تعزیری سزا دینا جائز نہیں۔ معمولی نوعیت کے جرائم کے ارتکاب پر حکمرانوں کی طرف سے جرمانے کی سزا دینا وہ ظلم شمار کرتے ہیں۔ وہ مزید لکھتے ہیں: " لا أن يأخذهُ الحاكم لنفسه أولبيت المال كما يتوهمه الظلمة إذ لايجوز لأحد من المسلمين أخذَ مال أحد بغيرسبب شرعي"۔(۳۶) یعنی حکمران کے لئے یہ روا نہیں کہ وہ اپنی ذات یا بیت المال (سرکاری خزانے کو بڑھانے) کے لئے مالی سزا (جرمانہ) عائد کرے۔ اسے ظلم شمار کیا جائے گا کیونکہ کسی مسلمان کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ دوسرے مسلمان کا مال بغیر شرعی سبب ہتھیا لے۔ ابن نجیم بتاتے ہیں کہ اسلام کے ابتدائی دور میں حکمرانوں میں تقویٰ اور للہیت تھی، اس لئے اس دور میں لوگوں کے مال ناجائز طور پر ہڑپ کرنے کا شائبہ تک نہ تھا، اس لئے جرمانہ بھی جائز تھا۔ لیکن بعد کے ادوار میں حکمرانوں کی نیتوں میں فتور آگیا اور وہ مسلمانوں پر طرح طرح کے ظلم روا رکھنے لگے۔ چنانچہ ایسے ظلم پیشہ حکمران اپنے تعیشات کے لئے معمولی معمولی بات پر لوگوں سے بھاری جرمانے وصول کیا کرتے تھے۔ ان کی ظلم رانیوں کے انسداد کے لئے حنفی فقہاء نے کہا: " التعزير بالمال كان فى ابتداء الإسلام ثم نسخ "۔(۳۷) یعنی اگرچہ ابتدائے اسلام میں مالی تعزیر جائز تھی لیکن بعد میں منسوخ کر دی گئی۔ حنفی فقہاء میں سے صرف امام ابو یوسفؒ (م۱۸۲ھ) جرمانہ کے جواز کے قائل ہیں۔ ابن نجیم رقمطراز ہیں:

روى عن أبى يوسف أن التعزير بأخذ المال إن رأى القاضى ذلك أوالوالى جاز ومن جملة ذلك رجل لا يحضر الجماعة يجوز تعزيرهُ

بأخذ المال --- أن معنى التعزير بأخذ المال على القول به إمساك شيء من ماله عنهُ مدةً لِينزجر ثم يعيدهُ الحاكم اليه۔(۳۸)

امام ابو یوسفؒ سے روایت ہے کہ اگر قاضی یا حاکم ضروری سمجھے تو مالی تعزیر بھی جائز ہے مثلاً جو شخص جماعت کے ساتھ نماز نہ پڑھتا ہو تو حاکم کا اس سے بطور تعزیر مال لینا جائز ہے۔ جرمانے کے جائز ہونے سے متعلق امام ابو یوسفؒ کے قول کا ان کے نزدیک مفہوم یہ ہے کہ قاضی یا حاکم مجرم کی سرزنش کے لئے اس سے کچھ مال لے کر اپنے پاس (سرکاری خزانے میں) رکھ لے اور جب اسے یقین ہو جائے کہ وہ دوبارہ ایسا جرم نہیں کرے گا تو اس سے لیا ہوا مال اسے واپس کر دے۔

ہماری رائے میں اس طرح کے جرمانہ میں سزا کا پہلو ماند پڑ جاتا ہے اور ایسا جرمانہ جرائم کے انسداد میں موثر نہیں رہتا کیونکہ مجرم کو یقین ہوگا کہ اس کا مال بالآخر اسے دوبارہ مل جائے گا۔ وہ مزید لکھتے ہیں : " فإن أيس من توبته صرّفهُ الىٰ ما يرى"۔(۳۹) کہ پھر اگر حاکم اس کی توبہ (اصلاح) سے مایوس ہو جائے تو اس مال کو وہ اپنی صوابدید کے مطابق صرف کرنے کا مجاز ہوگا۔

حنفی فقہ کی دیگر اہم کتب میں بھی جرمانے کے عدم جواز پر تقریباً انہی الفاظ میں بحث ملتی ہے۔ تاہم ان کتب میں بتایا گیا ہے کہ سوائے امام ابو یوسفؒ کے، مذاہبِ اربعہ کے تمام ائمہ کے نزدیک جرم کے ارتکاب پر جرمانہ وصول کرنا ناجائز ہے۔ " عن أبي يوسف يجوز التعزير بأخذ المال و عندهما و باقي الأئمة الثلاثة لا يجوز"۔(۴۰) جبکہ امام ابن تیمیہؒ (م ۷۲۸ھ) اپنی کتاب "الحسبة فی الإسلام" میں بتاتے ہیں کہ مالی سزائیں منسوخ نہیں ہوئیں اور اس بات کو حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام احمدؒ کی طرف منسوب کرنا قطعاً غلط ہے کیونکہ خود ان کی اپنی کتابوں میں مالی سزاؤں کی مثالیں موجود ہیں۔ وہ لکھتے ہیں :

من قال أن العقوبات المالية منسوخة وأطلق ذلك عن اصحاب مالك و أحمد فقد غلط --- و عامة هذهِ الصور منصوصة عن أحمد و مالك و

أصحابه--- و ليست العقوبة المالية منسوخة عندهما۔(۴۱)

امام ابن تیمیہؒ مالی سزاؤں کی عہد نبوی اور عہد خلفاء راشدینؓ سے مثالیں (جن میں سے اکثر ضمان/معاوضہ سے تعلق رکھتی ہیں) نقل کرنے کے بعد جرمانے کے شرعی جواز کا انکار کرنے والوں کی گرفت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> والمدعون للنسخ ليس معهم حجة بالنسخ لامن كتاب ولا سنة و هذا شأن كثير ممن يخالف النصوص الصحيحة والسنة الثابتة بلا حجة إلّا مجرد دعوى النسخ وإذا طولب بالنسخ لم يكن معهٗ حجة إلّا أنّ مذهب طائفته ترك العمل ببعض النصوص أو توهمهٗ أن ترك العمل بها إجماع والإجماع دليل على النسخ۔(۴۲)

> مالی سزاؤں کے منسوخ ہونے کا دعویٰ کرنے والوں کے پاس اس کی نہ تو قرآنِ حکیم میں سے کوئی دلیل موجود ہے اور نہ ہی سنت سے۔ جب ان سے مالی سزاؤں کی نصوص کا ناسخ طلب کیا گیا تو ان کے پاس اس کی کوئی دلیل نہ تھی سوائے اس کے کہ ان کے گروہ نے بعض نصوص پر عمل کرنا ترک کر دیا ہے۔ یا یہ گمان کر لیا ہے کہ ان نصوص پر عمل نہ کرنے پر اجماع (فقہاء) ہے۔ اور یہ اجماع ہی ان نصوص کے منسوخ ہو جانے کی دلیل ہے۔

ابن القیمؒ (۶۹۱۔۷۵۱ھ) اپنی کتاب " الطرق الحكمية فى السياسة الشرعية " میں اپنے شیخ ابن تیمیہؒ کی بیان کردہ جرمانے کے مثالیں نقل کرنے کے بعد اس کی مشروعیت کا انکار کرنے والوں (احناف) کا رد کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

> وقد عرفت أنه ليس من ادّعى النسخ نصّ ولا اجماع --- ونسخ النصوص بلا ناسخ، فقول عمر و على والصحابة و مالك و أحمد أولىٰ بالصواب بل هو اجماع الصحابة ۔(۴۳)

> میں ان نظائر کے مطالعہ سے اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ جو شخص (جرمانے

کے) منسوخ ہونے کا دعویٰ کرتا ہے، اس کے پاس اس کی نہ تو کوئی نص ہے اور نہ ہی اجماع پر مبنی دلیل۔ اس نے بغیر کسی ناسخ کے (جرمانے کے جواز کی) نصوص کو منسوخ قرار دے دیا ہے۔ جبکہ قولِ عمر و علی، صحابہ کرام اور مالک و احمد ہی زیادہ صحیح ہے بلکہ وہ صحابہ کا اجماع ہے، رضی اللہ عنہم۔

جرمانے کی منسوخی کی تردید کرنے کے بعد وہ احناف پر کڑی تنقید کرتے ہیں:
" والمتأخرون كلما استبعدوا شيئاً قالوا منسوخ و متروك العمل به "(۴۴) کہ متاخرین (احناف) جب بھی کسی شئے سے بچنا چاہتے ہیں تو کہہ دیتے ہیں کہ وہ منسوخ ہو چکا ہے اور اس پر عمل کرنا ترک کر دیا گیا ہے۔

جرمانے کے جواز و عدم جواز پر فقہاء کرام کی مذکورہ بالا آراء کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ صرف امام ابو حنیفہؒ ، امام محمدؒ اور بعض دیگر فقہاء جرمانے کے عدم جواز کے قائل ہیں۔ جبکہ امام ابو یوسفؒ اور دیگر ائمہ ثلاثہ اس کے جواز کے قائل ہیں۔ جو حنفی فقہاء اس کے عدم جواز کے قائل ہیں، وہ بھی یہ تسلیم کرتے ہیں کہ عہدِ نبوی و عہدِ خلفاء راشدین میں اس پر عمل ہوتا رہا ہے۔

احناف پر زیرِ بحث مسئلہ کے حوالے سے امام ابن تیمیہؒ اور ابن قیم الجوزیہؒ کی کڑی تنقید کا جائزہ ہم بعد میں لیں گے۔ اس سے پہلے ہم یہ جاننا ضروری سمجھتے ہیں کہ آخر وہ کون سے اور کیسے حالات تھے جن میں امام ابو حنیفہؒ اور دیگر حنفی فقہاءؒ نے حکمرانوں کی طرف سے عائد کردہ جرمانے کی سزا کو منسوخ اور ناجائز قرار دیا تھا۔

احناف کی رائے کا تاریخی پس منظر

تمام علماء اسلام اور مؤرخین اس بات پر متفق نظر آتے ہیں کہ صرف عہد خلفاء راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین میں خلافتِ اسلامیہ منہاجِ نبوت پر قائم رہی۔ جبکہ بعد کے ادوار میں حالات یکسر بدل گئے۔ حکمرانوں میں للہیت اور عدل و انصاف کے فقدان نے خلافت راشدہ کے بعد امت کو کئی روح فرسا حادثات سے دوچار کیا۔ بعد میں آنے والے

مستبد حکمرانوں کے عام مسلمانوں پر مختلف النوع مظالم کا ذکر ہی کیا۔ حضرت عبداللہ ابن زبیر اور نواسہ رسولؐ جیسے جلیل القدر صحابہؓ بھی ان کی ہوسِ اقتدار کی بھینٹ چڑھ گئے۔ نہ صرف یہ بلکہ انہوں نے اپنے سیاسی مخالفین کو کچلنے کی خاطر کعبۃ اللہ پر منجنیقوں سے پتھروں کی بارش کر کے اسے مسمار کرنے سے بھی گریز نہ کیا۔(۴۵) ایسے ظلم پیشہ حکمرانوں کے بارے میں کیسے گمان کیا جا سکتا ہے کہ عام لوگوں کی جانیں اور مال و اسباب ان سے محفوظ رہے ہوں گے۔ چنانچہ جب حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ (۶۱۔۱۰۱ھ) نے زمامِ خلافت سنبھالی تو آپ نے اپنے عزیز و اقارب کی شدید گرفت کی اور پہلے اموی حکمرانوں کے غصب کردہ اموال ان کی اولاد سے لے کر ان کے اصل مالکوں کو واپس دلائے۔(۴۶) ان کی اس عدل گستری نے خلافت راشدہ کی یادیں تازہ کر دیں جس کی وجہ سے بعض مؤرخین نے انہیں پانچواں خلیفہ راشد قرار دیا ہے۔(۴۷)

الشیخ محمد الخضری بک کے مطابق ابوجعفر المنصور (۱۰۱۔۱۵۸ھ) نے خلافت کے دعویدار اور اپنے سیاسی حریف محمد النفس الزکیۃ کے والد عبداللہ بن حسن سے ۱۴۰ھ میں حج کے موقع پر جب ان کے بیٹوں (محمد النفس الزکیہ اور ابراہیم) کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے لاعلمی کا اظہار کیا۔ مگر منصور کو یقین ہوگیا کہ انہوں نے اپنے بیٹوں کو بچانے کی خاطر جھوٹ بولا ہے۔ چنانچہ اس نے انہیں قید کر لیا اور ان کی املاک ضبط کر لیں۔(۴۸)

یہ ابو جعفر المصور ہی تھا جس نے عوام پر اپنے مظالم کو روا قرار دلوانے کے لئے حضرت امام ابو حنیفہ النعمان بن ثابتؒ (۸۰۔۱۵۰ھ) کو قاضی القضاۃ کا عہدہ پیش کیا جسے انہوں نے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ چنانچہ اس نے اسلام کے اس بطل جلیل کو پیرانہ سالی میں نہ صرف قید و بند کی اذیتوں سے دوچار کیا بلکہ ان سے جبری مشقت لیتے ہوئے بغداد کی فصیل کی تعمیر، خشت سازی اور خشت شماری کی نگرانی کا کام لیتا رہا۔(۴۹)

حضرت امام ابو حنیفہؒ کے دور کے حالات و واقعات کا مطالعہ کرنے سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ انہوں نے محض مطلق العنان حکمرانوں کے عوام پر مظالم کے انسداد کے لئے

ان کی طرف سے عائد کردہ جرمانوں کو ناجائز قرار دیا تھا۔ بد قسمتی سے مسلمان حکمرانوں کے عوام پر جبر و استبداد اور مالی مظالم کا صدیوں پر محیط سلسلہ خلافتِ عثمانیہ میں بھی جاری رہا۔ چنانچہ تیرہویں صدی ہجری کے ممتاز حنفی فقیہ ابن عابدین (م۱۲۵۲ھ) نے بھی حکمرانوں کی طرف سے عائد کردہ جرمانوں کو ناجائز قرار دیا۔ وہ لکھتے ہیں: "ولا یفتی بهذا لما فيه من تسليط الظلمة علىٰ أخذ مال النّاس فيأكلونهُ --- إذ لايجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعي"۔[۵۰] یعنی جرمانے کے جواز کا فتویٰ اس لئے نہیں دیا جاتا کہ اس سے ظالم حکمرانوں کو لوگوں کے مال ہتھیانے کے لئے قانونی بالادستی حاصل ہو جاتی ہے۔ چنانچہ وہ (ہر ناجائز طریقہ سے) ان کے مال ہڑپ کرنے لگتے ہیں۔ جبکہ کسی مسلمان کا مال بغیر سبب شرعی (دیت اور معاوضہ / ضمان کے علاوہ) لینا حرام ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ "ولا تاكلوٓا اَموالكم بينكم بالباطل"۔[۵۱] (ترجمہ) اور نہ کھاؤ ایک دوسرے کا مال آپس میں ناجائز طریقہ سے۔ اس آیت مبارکہ کے علاوہ حنفی فقہاء نے حضور نبی مکرم ﷺ کی اس حدیث مبارک "لا ضررَ ولا ضرار"[۵۲] کہ نہ کوئی کسی دوسرے کو ضرر پہنچائے اور نہ اسے ضرر پہنچایا جائے، سے مأخوذ شرعی قاعدہ سدُّ الذّرائع کی رو سے جرمانے سمیت ان تمام ذرائع کو حرام اور ناجائز قرار دیا ہے جن سے عام لوگوں کے اموال غیر محفوظ ہو جاتے ہیں۔

علامہ ابن القیمؒ نے 'اعلام الموقعین' کی تیسری جلد میں 'فصل فی سدّ الذرائع' کے عنوان سے مستقل باب باندھا ہے۔ اس باب میں وہ اس شرعی قاعدہ کلیہ کے اطلاق کی ننانوے مثالیں ذکر کرنے کے بعد آخر میں لکھتے ہیں کہ حرام اشیاء تک پہنچانے والے ذرائع کا انسداد، دینِ اسلام کا ایک چوتھائی ہے۔[۵۳] مال کی حفاظت، مقاصدِ شریعت میں سے ہے۔ ریاست کا فرض ہے کہ وہ عوام کی جان و مال کی حفاظت کرے، نہ کہ حیلے بہانوں اور تعصّب و بغض کی بناء پر ان کے اموال غصب کرتی رہے۔ جیسا کہ اموی دور کے واقعات سے واضح کیا گیا ہے۔ اب جرمانے کے جواز کے بارے میں فقہاء کی اختلافی آراء کو ذہن میں

رکھتے ہوئے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے دور کی طرف پلٹیں تو محسوس ہوگا کہ گویا انہوں نے پہلے اموی حکمرانوں کے غصب شدہ اموال ان کے اصل مالکوں کو واپس دلا کر جو عدل و انصاف قائم کیا تھا، اسے بعد میں حضرت امام ابو حنیفہؒ نے اہم قانونی بنیاد فراہم کر دی اور مستبد حکمرانوں کے مالی مظالم کا انسداد کرتے ہوئے ان کی طرف سے عوام پر عائد کیے جانے والے جرمانوں کو ناجائز قرار دے دیا۔

ہم پہلے یہ وضاحت کر چکے ہیں کہ جرمانہ شریعت اسلامیہ میں تعزیری سزا ہے جس کے شرعی حکم میں حالات و زمانے اور لوگوں کے احوال کے زیرِ اثر تغیر و تبدل کیا جا سکتا ہے۔ علامہ ابن القیمؒ نے "اعلام الموقعین" کی تیسری جلد کا آغاز ہی اس فصل سے کیا ہے کہ "فصل فی تغیّر الفتویٰ و اختلافها بحسب تغیّر الأزمنة و الأمکنة والأحوال والنیّات والعوائد"۔ (۵۴) یعنی زمانے، مقامات، حالات، نیتوں اور رسوم و رواج کی تبدیلی کے مطابق فتاویٰ (احکام) میں تبدیلی کرنے کے بارے میں فصل (باب)۔ اسی باب میں انہوں نے بطور مثال جرمانے کا بھی ذکر کیا ہے۔ (۵۵) احناف پر اپنی کڑی تنقید کے پہلو بہ پہلو وہ یہ تسلیم کرتے ہیں کہ اگر حالات و واقعات کا تقاضا ہو تو جرمانے کے احکام (جواز و عدم جواز) میں تبدیلی کرنا جائز ہے۔ چنانچہ اپنے عہد کے مخصوص حالات کے تناظر میں حضرت امام ابو حنیفہؒ کی طرف سے جرمانے کے عدم جواز کا حکم قانونی طور پر درست معلوم ہوتا ہے۔ شافعیہ، حنابلہ اور مالکیہ کے ائمہ مجتہدین کے ادوار میں بھی اگرچہ سیاسی حالات جوں کے توں رہے۔ لیکن غالباً انہوں نے ریاست کے داخلی استحکام کی خاطر حکمرانوں کا جرمانے عائد کرنے کا اختیار بر قرار رکھا۔

ہمارے دور میں ہوسِ زر کی بنیاد پر ہونے والے جرائم میں خطرناک حد تک اضافہ ہو چکا ہے۔ ایسے جرائم کے انسداد کے لئے جرمانے کی سزا خاص طور سے موثر ہو سکتی ہے، کیونکہ اس سے مالیاتی جرائم کے مرتکب افراد کے مالی مفادات پر زد پڑتی ہے۔ چونکہ سدالذرائع کے قاعدہ و اصول کے اطلاقات بھی قابلِ تغیر ہیں۔ لہذا عصر حاضر میں اسی اصول کے تحت جرائم کے انسداد کے لئے جرمانے کی سزا جائز معلوم ہوتی ہے۔ نیز حضرت امام

ابو حنیفہؒ کے دور کے برعکس اب سیاسی مخالفین کے اموال غصب کرنے کی غرض سے حکمرانوں کے لئے ان پر جرمانے عائد کرنے کے پہلے جیسے مواقع نہیں رہے۔ ہمارے دور میں مجالسِ شوریٰ (پارلیمنٹ) وجود میں آ چکی ہیں جو ہر جرم کی سزا قانون سازی کے ذریعہ مقرر کر دیتی ہیں۔ اس سے حکمرانوں کی مطلق العنانی کی پہلے جیسی صورت حال باقی نہیں رہی۔ علاوہ ازیں عدالتیں بھی مقننہ کی طرف سے مختلف جرائم کی مقرر کردہ سزاؤں سے تجاوز کرنے کی مجاز نہیں ہوتیں۔ چنانچہ موجودہ حالات میں جرائم کے موثر انسداد کے لئے جرمانے کی تعزیری سزا مناسب اور جائز سمجھی گئی ہے۔

جرمانے کی وصولی کے لئے سزائے قید

زیرِ نظر مقالہ کے آغاز میں ہم نے جرمانے کے موجودہ قانونی مفہوم کی حامل یہ تعریف بیان کی تھی کہ "جرمانہ اس مقررہ رقم کو کہتے ہیں جو مجاز عدالت کسی مجرم کو پاداشِ جرم میں سرکاری خزانے میں جمع کروانے کا حکم دے"۔ یہ تعریف ظاہر کرتی ہے کہ عدالتی حکم کے بعد جرمانے کی رقم مجرم کے ذمہ واجب الاداء ہوتی ہے۔ اسلامی قانون کے ممتاز مصری ماہر شیخ محمد ابوزہرہ کے مطابق "جرمانہ عائد ہونے کے بعد وہ مجرم کے ذمہ قرض کی طرح ہے۔"(۵۶) ڈاکٹر عبدالعزیز عامر کی بھی یہی رائے ہے۔(۵۷)

ممتاز حنفی فقیہ امام شمس الدین ابوبکر محمد السرخسیؒ (م ۴۹۰ھ) کہتے ہیں کہ قرض نام ہی اس مال کا ہے جس کی ادائیگی مقروض پر لازم ہو۔ قدرت و استطاعت کے باوجود اس کی ادائیگی سے قولاً یا فعلاً انکار پر اسے قرض کی ادائیگی تک قید کرنا جائز ہے۔(۵۸) جبکہ امام مالکؒ (م ۱۷۹ھ) نے قرض کی عدم ادائیگی کی صورت میں مقروض کو سزائے قید دیتے وقت ادائیگی پر قادر اور مفلس شخص کے مابین فرق کو ملحوظ رکھنے پر زیادہ نمایاں انداز میں زور دیا ہے۔ ان کے مطابق " قرض کی عدم ادائیگی کی صورت میں عدالت اپنے ذرائع سے معلوم کرے کہ کہیں نادہندہ نے اپنا مال چھپا تو نہیں لیا۔ اگر اس نے مال چھپا لیا ہو یا قدرت کے باوجود ادائیگی نہ کرے یا ادائیگی سے انکار کر دے تو اس کو قید کیا جا سکتا ہے۔ بصورتِ دیگر

یعنی محض افلاس کی وجہ سے ادائیگی نہ کرسکنے پر اسے سزائے قید دینا جائز نہیں۔"(۵۹) غالباً حضرت امام مالکؒ کے اس قول کی بنیاد قرآن حکیم کی یہ آیت ہے :

وَاِن كَانَ ذُوعُسرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلىٰ مَيسَرَةٍ. وَاَن تَصَدَّ قُواخَيرلَّكُم اِن كُنتُم تَعلَمُونَ۔(۶۰)

اور اگر مقروض تنگ دست ہو تو مہلت دو اسے خوشحال ہونے تک اور بخش دینا اسے (قرض)، بہت بہتر ہے تمہارے لئے اگر تم جانتے ہو۔(۶۱)

فقہاءِ اسلام کی ان آراء سے واضح ہوتا ہے کہ صرف قدرت و استطاعت کے ہوتے ہوئے اگر مجرم جرمانہ ادا نہ کرے یا ادائیگی سے انکار کر دے تب اسے سزائے قید دی جا سکی ہے۔ نادار اور تنگ دست مجرم کو جرمانے کی عدم ادائیگی پر سزائے قید دینا فقہاء کرام کی رائے میں ناجائز اور قرآنی منشاء کے خلاف ہے۔ بلکہ قرآن حکیم نے تنگ دست کو مالی ذمہ داری سے سبکدوش کرنے کی ترغیب دی ہے اور اسے معاشرے کے استحکام کے لئے انتہائی مفید قرار دیا ہے۔

مجموعہ تعزیراتِ پاکستان مجریہ ۱۸۶۰ء کی دفعہ ۶۷ میں کہا گیا ہے کہ جن جرائم کے ارتکاب پر صرف جرمانے کی سزا دی جا سکتی ہو، ان میں مجرم کی طرف سے عدم ادائیگی پر عدالت اسے صرف سادہ سزائے قید دینے کی مجاز ہے۔ اس دفعہ میں موجود سادہ سزائے قید کے الفاظ واضح کر رہے ہیں کہ عدم ادائیگی کی بناء پر دی جانے والی سزائے قید کے دوران مجرم سے جسمانی مشقت یا جبراً کوئی کام نہیں لیا جا سکتا۔

اس دفعہ میں جرمانے کی عدم ادائیگی پر مجرم کو دی جانے والی سزائے قید کی زیادہ سے زیادہ حد بھی مقرر کر دی گئی ہے۔ چنانچہ جن جرائم کی سزائے جرمانہ پچاس روپے تک ہو، ان میں عدم ادائیگی کی صورت میں عدالت دو ماہ سے زیادہ سزائے قید نہیں دے سکتی۔ جن جرائم میں ایک سو روپے تک جرمانہ کی سزا دی جا سکتی ہو، ان میں چار ماہ سے زیادہ سزائے قید نہیں دی جا سکتی اور جن جرائم میں اس سے زیادہ رقم کا جرمانہ عائد کیا جا سکتا ہو،

ان میں عدم ادائیگی پر عدالت چھ ماہ سے زیادہ سزائے قید دینے کی مجاز نہ ہوگی۔

پاکستان کے مجموعہ ضابطہ فوجداری مجریہ ۱۸۹۸ء کی دفعہ ۳۳ میں بتایا گیا ہے کہ جب کسی مجسٹریٹ کی عدالت سے کسی مجرم کو سزائے قید کے علاوہ جرمانے کی سزا بھی دی گئی ہو تو اس کی عدم ادائیگی کی صورت میں، اسے دی گئی سزائے قید کے صرف ایک چوتھائی کے برابر مزید سزائے قید دی جا سکتی ہے۔

اگرچہ پاکستان کے مروجہ قوانین میں امام مالکؒ کی رائے کے موافق جرمانے کی عدم ادائیگی پر مجرم کو سزائے قید دینے سے قبل عدالت کی طرف سے اپنے ذرائع سے اس کی مالی حالت یعنی جرمانے کی ادائیگی پر اس کی قدرت یا عدم استطاعت معلوم کرنے کا کوئی نظام موجود نہیں۔ تاہم ضابطۂ فوجداری کی دفعہ ۳۸۸۔(الف) میں مجرم کو یہ سہولت دی گئی ہے کہ وہ فیصلہ کے تیس دن کے اندر یکمشت ادائیگی کرے یا دو سے تین اقساط میں جرمانہ ادا کرے اور ان اقساط کا درمیانی عرصہ تیس دن سے زیادہ نہ ہو۔ اگر مجرم ان اقساط کی بروقت ادائیگی میں ناکام رہے تو عدالت اسے جیل بھجوانے کی مجاز ہوگی۔

جبکہ اس دفعہ کی شق (ب) میں بتایا گیا ہے کہ اگر مجرم جرمانہ کی عدم ادائیگی کی صورت میں سزائے قید کاٹنے کے دوران جرمانے کی ادائیگی کا بانڈ بھر دے تو اسے فوری طور پر رہا کر دیا جائے گا۔ تاہم بانڈ بھرنے کے بعد جرمانے کی بالاقساط ادائیگی میں ناکامی پر عدالت مجرم کو دوبارہ جیل بھجوانے کی مجاز ہوگی۔

ضابطہ فوجداری کی دفعہ ۳۸۶ میں وضاحت کی گئی ہے کہ اگر عدالت نے جرمانے کی عدم ادائیگی پر مجرم کو سزائے قید کے احکام دیئے ہوں تو اس صورت میں جب وہ اپنی سزائے قید کاٹ چکے تو متعلقہ عدالت جرمانے کی وصولی (بذریعہ ضبطیٔ املاک یا نیلامی) کے لئے مزید احکام جاری کرنے کی مجاز نہ ہوگی۔ گویا اس دفعہ کی رو سے جرمانے کی عدم ادائیگی پر مجرم کو دی جانے والی سزائے قید کو جرمانے کا بدل مانا گیا ہے جس کے بعد جرمانہ مجرم کے ذمہ واجب الاداء نہیں رہتا۔

یہ دفعات بظاہر حقیقت پسندانہ نظر آتی ہیں لیکن ان میں عدم توازن اور انصاف کے ارفع معیار کا فقدان اس وقت ابھر کر سامنے آ جاتا ہے، جب عدالت جرمانہ عائد کرتے ہوئے مجرم کی مالی حالت کو نظر انداز کر دیتی ہے۔ آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ حضور سرکار دوعالم، رحمت للعالمین علیہ صلوات رب العالمین نے اسیرانِ بدر جو کہ مشرکین تھے، پر فدیہ لازم فرماتے وقت ان کی بھی مالی حالت کا لحاظ رکھا۔ چنانچہ ان پڑھ نادار قیدیوں کو بلا فدیہ لئے رہا فرما دیا۔ جب مالی سزاؤں میں مشرکین تک کی مالی حالت کا لحاظ رکھنے کا عملی درس خود سیّدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی سیرتِ طیّبہ سے میسر آ رہا ہو تو پھر مسلمان معاشرے میں مالی سزاؤں کے اطلاق کے وقت اس سے رہنمائی حاصل نہ کرنا اور اسے رہنما اصول نہ بنانا درست نہ ہوگا۔

مالی واجبات خواہ وہ دیت ہو یا جرمانہ، کی وصولی کے سلسلہ میں تنگ دست مجرم کو ممکنہ حد تک زیادہ سے زیادہ سہولت دینے کے بارے میں سورہ البقرہ کی آیت نمبر ۲۸۰ میں واشگاف الفاظ میں تلقین فرمائی گئی ہے۔ آیت کے آخری حصہ میں اسے مالی ذمہ داری سے سبکدوش کر دینے کو مسلم معاشرے کے لئے انتہائی مفید قرار دیا گیا ہے۔ فقہاء اسلام نے بھی نادار مجرم کو جرمانہ کی عدم ادائیگی کی صورت میں سزائے قید دینے کو ناجائز قرار دیا ہے۔ لہذا نادار مجرم کو جرمانہ یا دیت کی عدم ادائیگی کی بناء پر سزائے قید دینا گویا اس کے جرم کے بجائے اس کی مالی بدحالی کی سزا متصور ہوگا۔ یقیناً یہ صورتِ حال اسلام کی شانِ عدل و انصاف سے مطابقت نہیں رکھتی۔

حواشی و حوالہ جات

۱۔ ڈاکٹر مولوی عبدالحق، "اردو لغت"، کراچی، ترقی اردو بورڈ، ۱۹۸۴ء، ج۶، ص ۵۷۵ و "نوراللغات"، ج۶، ص ۴۱۳ و "علمی اردو لغت"، ص۵۳۱ و مقالہ جرم، "دائرہ معارف اسلامیہ" (اردو)، ج۱۹، ص۱۶۸

۲۔ محمد بن مکرم بن منظور الأفریقی (۶۳۰۔۷۱۱ھ)، "لسان العرب"، بیروت، دار احیاء التراث العربی، ۱۹۸۸ء ج۱۵، ص ۵۹

۳۔ محمد مرتضیٰ زبیدیؒ (۱۱۴۵۔۱۲۰۵ھ)، "تاج العروس"، مصر، المطبعة الخيرية المنشاة، ۱۳۰۶ھ، ج۹، ص ۳

4. Fred E. Inbau, 'Fine', " The World Book Encyclopedia," Chicago, World Book Inc. 1987, Vol.7, p.103

5. The Concise Oxford Dictionary, Oxford, Oxford University Press,1976, 6th edition, p.391

۶۔ ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن، "قانونی لغت"، لاہور، مغربی پاکستان اردو بورڈ اکیڈمی، ۱۹۶۳ء، ص ۲۶۳

۷۔ الدکتور عبدالعزیز عامر، "التعزیر فی الشریعة الإسلامیة، القاهرة، مطبعة مصطفیٰ البابی الحلبی، ۱۹۵۷م، الطبعة الثالثة، فقرة رقم ۳۵۰

۸۔ جندی عبدالملک، الموسوعة الجنائية"، بیروت، دار احیاء التراث العربی، ۱۹۷۶م، ج ۵، ص ۱۰۷

۹۔ أبوالقاسم الحسین بن محمد الراغب الإصفہانیؒ (م۵۰۲ھ)، " المفردات فی غریب القرآن"، مصر، مطبعة مصطفى البابي الحلبی، ۱۹۶۱م، ج۳، ص۳۶۰

10 Henry Compbell Black, " Black's Law Dictionary", Sanfransico, West Publishing Co., 1976, p.569

11. Richard A. Green, *'Fine',* " The Encyclopedia Americana", International edition. U.S.A., Encyclopedia Americana Corporation, 1984, Vol.11, p.213

۱۲۔ أحمد بن عبدالحلیم، ابن تیمیة الحنبلیؒ (م۷۲۸ھ)، "الحسبة فی الإسلام"، مکة المکرمة، مؤسسة مكّة للطباعة والإعلام، ب ت، ج۲، ص ۵۲ والدکتور عبدالعزیز عامر، "التعزیر فی الشریعة الاسلامیة"، ص ۳۳۶

۱۳۔ السّيد محمود الآلوسیؒ (م ۱۲۷۰ھ)، "روح المعانی"، مصر، ادارة الطباعة المنيرية، ب ت، ج۱۱، ص ۱۸ و أبو محمد عبدالملك بن ہشامؒ (م ۲۱۳ھ)، " سیرة النبیؐ"، ج۴، ص ۱۸۵ و محمد بن عبدالباقی بن یوسف الزرقانی المالکیؒ (م ۱۱۲۲ھ)، "شرح المواهب اللدنية"، ج۳، ص ۹۰

۱۴۔ القرآن ۹: ۱۰۷۔۱۱۰

۱۵۔ پیر محمد کرم شاہ الازہری"، "ضیاء القرآن"، لاہور، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، ۱۴۰۲ھ، ج۲، ص ۲۵۲۔۲۵۳

۱۶۔ "روح المعانی"، ج۱۱، ص ۱۸ و ابن ہشام، "سیرۃ النبی"، ج۴، ص ۱۸۵

۱۷۔ "الحسبة فی الإسلام"، ص ۴۹

۱۸۔ ایضاً، ص ۵۲ و "التعزیر فی الشریعة الإسلامية"، ص ۳۳۶

۱۹۔ القاضی أبو یعلیٰ محمد بن حسین الفرّاء الحنبلی" (م ۴۵۸ھ)، "الأحكام السلطانية"، لاہور، دارنشر الکتب الإسلامیة، ب ت، ص ۱۶۷

۲۰۔ الإمام أحمد بن حنبل" (۱۶۴۔۲۴۱ھ)، "المسند"، بیروت، المکتب الإسلامی، ب ت، ج۶، ص۱۷۲

۲۱۔ "قانونی لغت"، ص ۲۶۴

۲۲۔ الإمام أحمد بن حنبل"، "المسند"، (تحقیق: أحمد محمد شاکر)، مصر، دارالمعارف، ۱۹۵۱م، ج۹، ص۲۱۲، حدیث رقم ۶۶۸۳

۲۳۔ الحافظ أبوبکر عبدالرزاق بن همام الصنعانی" (۱۲۶۔۲۱۱ھ)، "المصنّف"، بیروت، المکتب الإسلامی ۱۹۷۲م، ج۴، ص۱۸، حدیث رقم ۶۸۲۶

۲۴۔ الإمام أبوداود سلیمان بن الأشعث بن إسحاق السجستانی" (۲۰۲۔۲۷۵ھ)، "صحیح سنن أبی داود"، القاهرة مکتبة مصطفیٰ البابی الحلبی، ۱۹۵۲م، ج۲، ص۱۲۱، باب فی هدایا العُمّال

۲۵۔ الإمام أبو عبدالرحمن أحمد بن شعیب بن علی بن بحر النّسائی" (۲۱۵۔ ۳۰۳ھ)، "صحیح سنن النسائی"، (تحقیق: محمد ناصر الدین الالبانی)، بیروت، المکتب الإسلامی، ۱۹۸۸م، ط۱، ج۳، ص ۱۰۲۰، حدیث: ۳۵۹۳

۲۶۔ الإمام محمد بن یوسف الصالحی الشامی" (م: ۹۴۲ھ)، "سبل الهدیٰ والرّشاد فی سیرة خیر العباد"، (تحقیق: أ۔إبراهیم الترزی وأ۔ عبدالکریم العزبادی)، القاهرة، وزارة الأوقاف، ۱۹۷۹م، ج۴، ص۹۲۔۹۴۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم کی آیت "ماکان لنبی۔۔۔ الخ (۸: ۶۷) نازل فرما کر حضور رسالت مآب ﷺ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اس فیصلے کو مرجوح قرار دے دیا مگر اس کے اطلاق کو باقی رکھا

27. " The World Book Encyclopedia", Vol. 7, p.103

۲۸۔ الدکتور محمد روّاس قلعة جی، "موسوعة فقه عمر بن الخطاب"، مصر، ۱۹۸۱، ط۱، ص۸٦۔ نص یہ ہے: "اکسروا کل شیئ له قدرتم علیه، و سیّروا کل ماشیة له، ولا یأوین أحدلہٗ شیئاً"۔ علاوہ ازیں ابو عبید القاسم بن سلام (م ۲۲۴ھ) کی "کتاب الأموال"، ص ۹۶ اور ابن حزم کی کتاب "المحلی"، ج۹، ص ۹ پر بھی یہ واقعہ ملتا ہے

۲۹۔ الحاظ أبوبکر عبدالرزاق بن همام الصنعانی، "المصنّف"، ج۴، ص۱۸، حدیث : ۶۸۲۵

۳۰۔ ایضاً، ج ۱۵، ص ۲۳۸۔ ۲۳۹، حدیث : ۱۸۹۷۷

۳۱۔ أبو اسحاق الشاطبی (م ۷۹۰ھ)، "الإعتصام"، مکة المکرمة، ب ت، ج۲، ص۱۴۲

۳۲۔ "موسوعة فقه عمر بن الخطاب"، ص ۵۲۱ و عبدالرحمٰن الجزیری، "کتاب الفقه علی المذاهب الأربعة"، بیروت دارالفکر، ب ت، ط۱، ج۵، ص ۱۸۵۔ مقالہ کی ابتداء میں ہنری بلیک کی بیان کردہ جرمانے کی تعریف کی رو سے خلاف قانون رویے کے مرتکب شخص پر عائد کی جانے والی مالی سزا کو جرمانہ کہا جاتا ہے۔ چونکہ ضبطیٔ مال (املاک) اور حصہ سے محرومی بھی مالی سزا ہے جو خلاف قانون رویے پر دی جاتی ہے، اس لئے اسے بجا طور پر جرمانہ کہا جا سکتا ہے

۳۳۔ أبوالحسن علی بن أبی بکر الفرغانی المرغینانی (م۵۹۳ھ)، "الهدایة"، ملتان، مکتبة شرکة علمیة، ب ت، ج۲، کتاب السرقة، باب مالا یقطع فیه، ص ۵۴۲

۳۴۔ العلّامة محمد بن قیّم الجوزیة (٦۹۱۔۷۵۱ھ)، "إعلام الموقعین عن ربّ العالمین"، القاهرة، مطبعة الکردی الأزهری، ۱۳۲۵ھ، ج۳، ص۱۱

۳۵۔ زین العابدین ابن نجیم (م۹۷۰ھ)، "البحر الرائق شرح کنز الدقائق"، کوئٹہ، المکتبة الماجدیة، ب ت، ج۵، ص۴۱

۳۶۔ ایضاً

۳۷۔ ایضاً

۳۸۔ ایضاً و ابن عابدین (م ۱۲۵۲ھ)، "حاسیة رد المختار"، القاهرة، دارالفکر، ۱۹۷۹م، ج۴، ص ٦۱

۳۹۔ ایضاً

۴۰۔ ایضاً و کمال الدین محمد بن عبدالواحد المعروف بابن الهمام الحنفی (م ۸٦۱ھ)، "فتح القدیر"، کوئٹہ، مکتبہ رشیدیہ، ۱۹۸۵م، ج۵، ص ۱۱۲۔۱۱۳

۴۱۔ "الحسبة فی الإسلام"، ص ۵۰

۴۲۔ ایضاً، ص ۵۰۔ ۵۱ و ابن القیم، "الطرق الحکمیة فی السیاسة الشرعیة"، لاہور، دارنشر الکتب الإسلامیة، ب ت، ص ۲۴۸

۴۳۔ ایضاً

۴۴۔ ایضاً

۴۵۔ احمد بن یوسف القرمانی" (م۱۰۱۹ھ)، " أخبار الدوّل و آثار الاول فی التاریخ"، (تحقیق: در أحمد حطیط)، بیروت، عالم الکتاب، ۱۹۹۲م، ج۲، ص ۶۰

۴۶۔ ایضاً، ص ۳۹

۴۷۔ ایضاً

۴۸۔ الشیخ محمد الخضری بک، " محاضرات تاریخ الأمم الإسلامیة"، بیروت، دارالمعرفة، ب ت، ص۶۱

۴۹۔ الإمام أبو جعفر محمد بن جریر الطبری" (۲۲۶۔ ۳۱۱ھ)، " تاریخ الأمم والملوک"، القاہرة، المطبعة الاستقامة، ۱۹۳۹م، ج۶، ص ۲۳۸، سن ۴۵ھ کے واقعات

۵۰۔ ابن عابدین، " حاشیة رد المختار"، ج۴، ص ۶۱

۵۱۔ القرآن ۲: ۱۸۸

۵۲۔ الإمام مالك بن أنس" (م۱۷۹ھ)، " الموطأ" (تحقیق: محمد فواد عبدالباقی)، القاهرة داراحیاء الکتب العربیة، ۱۹۵۱م، ج۲، ص۷۴۵ و ۸۰۵

۵۳۔ "إعلام الموقّعین"، ج۳، ص ۱۳۵

۵۴۔ ایضاً، ص ۳

۵۵۔ ایضاً، ص ۱۱

۵۶۔ الأستاذ محمد أبوزهرة، "فلسفة العقوبة فی الشریعة الاسلامیة"، القاہرة، معهد الدراسات العربیة العالیة ۱۹۶۳م، ص ۹۰

۵۷۔ " التعزیر فی الشریعة الإسلامیة"، ص ۳۴۹

۵۸۔ الإمام مالك بن أنس" ، المدوّنة الکبریٰ"، القاہرة، مطبعة السعادة، ۱۳۲۳ھ، ج۱۳، ص۵۵

۶۰۔ القرآن ۲: ۲۸۰

۶۱۔ " ضیاء القرآن"، ج ۱، ص ۱۹۶